اولاد کی تربیت کیا ہے

مؤلف

الحاج قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔ کام (عثمانیہ)

تفصیلات طباعت

نام کتاب	اولاد کی تربیت کیا ہے
مؤلف	الحاج قاری محمد ارشاد علی
صفحات	۴۵
اشاعت	مارچ ۲۰۰۲
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

مزید موضوعات

http://archive.org/details/@islahi_tohfa

تنبیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولاد کی تربیت کی اہمیت

حدیث پاک میں یوں آتا ہے کہ "اولاد ماں باپ کے جگر کے ٹکڑے ہیں"۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بچے، قوم اور ملت کے مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔
انہی پر گھر کی, محلّہ کی, بستی کی, شہر کی, مُلک اور ملت کی بھلائی
کا دارومدار ہوتا ہے۔ فطری طور پر ماں باپ کی تمنا ہوتی ہے کہ اُن کی اولاد کی تربیت بہتر سے بہتر طریقے پر ہو۔ لیکن صرف تمنا سے کام نہیں بنتا۔ اس کے ساتھ اس کے کچھ لوازمات ہوتے ہیں۔ جیسے

(۱) دنیوی تعلیم کی چاہت کے ساتھ ساتھ صحیح اور بہتر انداز میں دینی تعلیم حاصل کرنا۔

(۲) ماں باپ کے مزاج میں مادیت پسندی کا عنصر غالب ہونیکے بجائے آخرت پسندی کا مزاج غالب ہونا۔

(۳) ماں باپ کو ماحول کی بے دینی کیفیت کا پورا پورا اندازہ ہونا۔

(۴) غفلت اور بے توجہی نہ ہونا۔

(۵) اولاد کے حقوق کی ہر ممکنہ تکمیل کا خیال رہنا وغیرہ وغیرہ۔

اسلام کے احکام کی روشنی میں اگر تربیت کے مسئلہ کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ اسلام نے اولاد کی تربیت کو کافی اہمیت دی ہے۔ اسلامی احکام کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) اللہ کے حقوق (۲) بندوں کے حقوق (۳) خود انسانی نفس

کے حقوق۔ اس وقت صرف بندوں کے حقوق کی کسی قدر وضاحت کرنیکے بعد اولاد کے حقوق اور ان کے فرائض پر روشنی ڈالی جائیگی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو نہ صرف زندگی جیسی نعمت سے نوازا ہے، بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ دیگر انسانوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے اُصول بھی بتلا دئے ہیں۔ یہ اُصول باالفاظ دیگر ذمہ داریاں ہیں جو ہر ایک انسان پر ڈالدی گئی ہیں۔ اگر انسان اِن ذمہ داریوں کو نہ صرف یہ کہ محسوس کرتا ہو بلکہ ان کو پورا کرتا ہے تو دنیا میں امن چین برقرار رہتا ہے اور اگر پورا نہ کرے تو فساد ظاہر ہوتا ہے۔ ایک طرف حاکم کو رعایا کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ رعایا سُکون میں رہے۔ دوسری طرف رعایا کو حاکم کے حقوق سے باخبر کر دیا گیا تاکہ حکمرانی میں سہولت ہو۔ ایک طرف شوہر پر بیوی کے حقوق اور ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا گیا تو دوسری طرف بیوی پر شوہر کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا۔ ایک طرف امیروں پر غریبوں کے حقوق، بڑوں پر چھوٹوں کے حقوق، مسلمانوں پر دوسرے مسلمانوں کے حقوق طاقتور پر کمزوروں کے حقوق اور پھر اس کے برعکس تاکہ دنیا میں ہر انسان کو اس کا حق برابر ملتا ہے۔ بچوں کی خیر خواہی یہی ہے کہ اُن کی اچھی تربیت کی جائے۔ اُن کو اچھی تعلیم دی جائے اور اُن کو محنت کا عادی بنایا جائے۔ جس طرح ہر معاملہ میں صحت کار کے لئے نظم کی ضرورت ہے خواہ دنیا ہو یا دین، اِسی طرح تربیت اولاد میں بھی نظم کی ضرورت ہے۔ نظم، صحیح عمل کی ضمانت ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت اسلام کی نظر میں

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ بندوں کی طرف سے اُس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے تو وہ مختار ہے خواہ معاف کر دے یا سزا دے، یہ معاملہ اُس کے اور بندے

کے درمیان کا ہے۔ لیکن حقوق العباد کے معاملے میں اللہ تعالیٰ اس کو بندوں پر ہی چھوڑتے ہیں، کہ کسی بندے کا حق کس نے ادا نہیں کیا اور جس کی حق تلفی ہوئی اُس کو حق حاصل رہیگا کہ حق وصول کر لے، بندہ وہاں پر اپنا حق معاف اس لئے نہیں کریگا کہ اُس دن ہر بندہ نیکیوں کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے ایک ایک نیکی سے کام نکالنے اور نجات پانیکی اُمید میں لگا رہتا ہے۔ اور وہاں پر بدلہ نیکیوں اور برائیوں کے ادل بدل سے ہو گا۔

اِس سے پتہ چلا کہ حق مارنے والے بندوں کو ستانے، ظلم و زیادتی کرنے میں زیادہ خطرہ در پیش ہے۔ یہاں تک کہ اپنے والدین کا اپنی اولاد پر کوئی حق ہو گا تو اس دن والدین اپنی اولاد سے اُلجھ جائیں گے کہ "لا ہمارا حق ادا کر"۔ اگر نیکیوں کے ذریعے حقوق کا بدلہ پورا نہ ہوا تو والدین کے گناہ اولاد پر ڈالدیئے جائیں گے۔ پھر اولاد مفلس ہونے سے، ٹھکانہ جہنم ہو گا چونکہ حقوق العباد کا مسئلہ نازک ہے۔ اس لئے دنیا میں ہی حقوق ادا کرنیکی فکر کریں یا پھر صاحب حق سے معافی اپنی حیات ہی میں کرالی جائے۔

میں بار خاطر صیاد و باغباں نہ رہا
چمن میں پھول ہی بن کر رہا گراں نہ رہا

دنیا میں اگر حق تلفیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو اللہ کی مدد کا آنا تو دور کی بات ہے الٹا ایسے لوگوں کو اللہ تعالی آفات و مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

یہاں پر زیر بحث عنوان صرف اولاد کے حقوق ماں باپ پر اور اس کے بر عکس ہے۔ انسانوں کے درمیان عموماایک دوسرے کے حقوق اُسی وقت پورے کرنے پڑتے ہیں جب وہ ایک دوسرے کے قریب ہوں یا ایک دوسرے سے تعلقات و مراسم ہوں۔ جیسے پڑوسی، جب تک پڑوس میں ہے اُس وقت تک اُس کے حقوق ادا کرنا ہے اور جب تک شوہر بیوی کے تعلقات ہیں اُس وقت تک حقوق کی ادائیگی ہے۔ اگر ازدواجی تعلقات ختم ہو جاتے ہیں تو حقوق بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن اولاد کے حقوق ماں باپ پر اور ماں باپ کے حقوق اولاد پر باقی رہتے ہیں۔ خواہ زندہ رہیں یا گذر جائیں اس لئے اولاد کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں اس طرح دعا کریں۔

﴿ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾(الإسراء: ٢٤) (اے میرے رب تواِن دونوں پر رحم کر جیسا کہ دونوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی میرے بچپن کی ساری حرکتوں کو انھوں نے نظر انداز کیا تو بھی اِن کی نافرمانیوں اور گناہوں کو نظر انداز کرے)۔

والدین کی آرزو

ہر ماںباپ کی آرزو ہوتی ہے کہ اُن کی اولاد نیک اور صالح ہو اور اولاد کی طرف سے ان کو دنیا ہی میں سکون نصیب ہو۔ لیکن اس کے لئے ماںباپ کو اپنی اولاد کا حق ادا کرنا پڑتا ہے۔اُن پر محنت کرنی پڑتی ہے۔اُن کی تربیت کرنی پڑتی ہے۔اس کے لئے وقت اور روپیہ دونوں لگانا پڑتا ہے۔ اس طرح بچہ کے بالغ ہونے تک اور سن شعور کو پہنچنے تک لگاتار محنت کرنی پڑتی ہے۔یہ ہے اولاد کا حق ماںباپ پر۔ اگر ماںباپ یہ حق ادا کرتے ہیں تو روز قیامت اِس ذمہ داری کی ادائیگی کی جواب دہی

سے محفوظ رہتے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں سکون و چین نصیب ہوتا ہے اور ان شاء اللہ روز قیامت یہی اولاد ماںباپ کے گناہوں کی معافی کا ذرایعہ اور درجات کی بلندی کا باعث بنے گی ۔اولاد کو فائدہ اس لحاظ سے ہو گا کہ وہ دنیا میں نیک اور دیندار ہو نیکی وجہ سے راحت اور سکون سے گذر ہو گی۔ مصائب اور آفات سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے بر خلاف اگر اولاد کے حقوق دنیا میں ماںباپ ادا نہیں کرتے ہیں تو اللہ کے پاس مجرم اور اولاد کے گناہوں کا وبال اپنے سر پر اٹھائیں گے۔ دنیا کی زندگی جہنم بن جائیگی ۔اولاد کی بے دینیت اور فسق و فجور کی وجہ سے کہیں مال کا نقصان ہوگا تو کہیں بے عزتی سے دوچار ہونا پڑیگا۔ کہیں ان کی بد چلنی کی وجہ سے زندگی سوہان روح (تکلیف، پریشانی) ہو جائیگی۔ پھر ماںباپ یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہم لا اولد ہوتے، کاش ہماری اولاد بچپن ہی میں گذر جاتی وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال ایسی اولاد کی زندگی بغاوت، سرکشی میں آفات اور بیماریوں ، پریشانیوں اور ذلت میں تنگ دستی اور بے سر و سامانی میں بے نوری اور بے برکتی میں گذر جائیگی پھر آخرت کی سزا علحدہ ہو گی۔ لمحوں نے خطا کی تھی ، صدیوں نے سزا پائی

مسلم معاشرہ بدنام کیوں ہے ؟

ماںباپ کسی زمانے میں خود اولاد بھی تھے , وہ خود بھی اپنی زندگی ایسی گزارے کہ اُن کے والدین اُن کے حقوق ادا نہیں کیئے،اس کی کے وجوہات ہیں۔

۱۔ جہالت ۲۔ دین سے دوری ۳۔ دین بیزاری ۴۔ فکر عقبی (آخرت) کا نہ ہونا ۵۔ دنیا کی محویت (گم ہونا) ٦۔ بد مستی میں زندگی گزارنا ہے ۷۔ تربیت اور تعلیم

اولاد کے لئے غیر ضروری سمجھنا ۸۔ توکل علیٰ اللہ کا غلط مفہوم لینا ۹۔ اپنی اولاد کے بارے میں خوش گمانی اور خوش فہمیوں کی دنیا میں رہنا ۱۰۔ بے دین ماحول سے متاثر ہو کر خود بھی ذمہ داری کو محسوس نہ کرنا ۱۱۔ ملازمتی یا تجارتی یا صنعتی یا زراعتی مشغولیت یا غیر ممالک میں ماں باپ کے طویل قیام اور مسلسل دوری کی وجہ سے ہر اعتبار سے عدم سرپرستی وغیرہ۔

اس طرح اولاد کا بچپن اور لڑکپن کا زمانہ جو تربیت کا زمانہ ہے عدم ادائیگی حقوق کی وجہ سے سارے مسلمان حضرات کی اولاد ایک بے قاعدہ فوج کی طرح تیار ہو گئی ہے۔ نیک اور تعلیم یافتہ لوگ ایسے معاشرہ کو دیکھ کر پریشان ہیں۔ محلّہ میں لوگ پریشان ہیں، بہتی ہیں لوگ خوفزدہ، حکومت کے لئے ایک بوجھ، شریف عورتوں کا طبقہ حیران، گالی گلوچ فحش کلامی، دن رات کھیل کود کا شوق، لوگوں کی دل آزاری، لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ، اغوا، بلاک میل، انٹرنیٹ سے رابطہ، داداگیری، غنڈہ گردی میں ملوث۔ ماحول کی گندگی بھی ان کے لئے مددگار ہے۔ جیسے بے حیائی، عریانی حرکتیں۔ عورتوں کا بے باکانہ چلن، بے لگام اختلاط (دوستی) مردوزن، اداکاروں کے لباس، چال و چلن میں ڈوبی ہوئی زندگی، راتوں کو دن بنانا اور دن کو راتیں، لڑکپن سے جوانی تک سنیما بینی، عریاں فلموں میں اوقات گزارنے سے زندگی بے مقصد ہو گئی۔

ذرا غور کریں یہ سارے بداعمالیوں کے ذمہ دار کون ہیں؟ اگر ماں باپ اپنی اولاد کو صبح میں مرغیوں بکریوں کی طرح گھر سے ہانک دیں اور شام میں دیر گئے گھر کے اندر لے لیں تو تربیت کون کریگا؟

جوش طوفان، بحر بے پایاں، ہوا ناساز گار
نوع کا مولیٰ کرم کر دے تو بیڑا پار ہے

مسلم معاشرہ میں شعور معاشرہ

مسلم معاشرے میں اکثر لوگ اپنے کسی اوقات کے ختم ہوتے ہی بازار کا رخ کرتے ہیں، ہوٹل یا پان کے ڈبوں یا تفریحی کلبوں میں جمع ہونگے یا کسی گھر میں مل جُل کر گپ ہا کیں گے۔ اخبار بینی، سگریٹ نوشی اور چائے کے دور چلیں گے۔ تجارت پیشہ طبقہ رات دیر گئے اپنے مکانوں کو دوکانوں سے واپس ہوتا ہے، صبح ناشتہ کی تیاری تک بستر پر ہی رہتے ہیں۔ مسلم معاشرہ اپنی اولاد کو دنیوی تعلیم کے خاطر اچھے مدرسہ میں شریک کروا کر یا اچھی بورڈنگ (Boarding) میں شریک کر کے یہ تصور کرتا ہے کہ بچے کی تعلیم اور تربیت کا انتظام ہو چکا, حالانکہ بچہ ایک عرصے تک روپیہ کمانیکی تعلیم حاصل کرتا ہے جس کا اخلاق اور دینی تعلیم و تربیت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کے بر عکس تربیت ہوتی ہے۔ مسلمان عورتیں بے پردہ باہر پھر ناضروری سمجھنے لگیں ہیں۔ گھروں میں اپنے اوقات بیکار بکواس زیب وزینت، آرائش وزیبائش اور ٹی وی بینی کے حوالے ہو جاتے ہیں۔ غیبت، نکتہ چینی، کینہ، فخر، انتظامی روش، ساس بہو کے جھگڑے، نندوں اور بھاوجوں سے اختلافات، چھوٹے چھوٹے تقاریب اور غیر ضروری رسومات کو مذہبی اہمیت دینا، ان امور سے اگر فرصت مل گئی تو باہر گھومنے کا شوق، شاپنگ کا شوق، ہو ٹلنگ کا شوق اور ان کے لئے محلّہ کی سڑکیں شہر کی شاہ راہیں، ایسی ہیں جیسے گھروں کے صحن۔ ان کے یہ سارے کام بے حجابی، نیم عریاں، ملبوسات اور بے تحاشہ زیب وزینت کے ساتھ طے پاتے ہیں۔ اس طرح مسلمان عورتیں

خواہشات والی زندگی کو اپنائے ہوئے فضول خرچی کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں۔ اگر کہیں دینداری ہے بھی تو سطحی اور برائے نام بدعات اور خرافات اور بد عقیدگی پر مبنی اعمال ہوتے ہیں۔ اولاد کی دینی تعلیم کے لئے خود تو عدیم الفرصت (Primitive opportunity) ہوگئے ۔ چنانچہ ایک اُستاد کو مقرر کیا جاتا ہے ۔ یہ استاد نُما صاحب، اپنی روٹی روزگار کے لئے ٹیوشن پڑھانے کو ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کی کوششیں یہی رہتی ہیں کہ جو نصاب دو مہ میں پورا کرنا تھ اس کو ۸ ماہ تک کھینچا جائے ۔ ورنہ رزق چھین جانے کا اندیشہ رہتا ہے ۔ بچے کی غیر حاضری تعلیم میں غفلت اور لاپرواہی کو بخوشی موصوف برداشت کر لیتے ہیں۔ چنانچہ وقت عزیز گذرتا چلا جاتا ہے سیکھنے سکھانیکی عمراس طرح ختم ہو جاتی ہے۔ بچہ بڑا ہو جاتا ہے دینی اعتبار سے تربیت اور تعلیم تو حاصل نہ ہو سکی، البتہ والدین کو اور خود بچے کو یہ اطمنان آجاتا ہے کہ دینی تعلیم اور تربیت سے بچہ گذر چکا ہے۔ میں نے ایسے اساتذہ اور اُن کے شاگردوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک لڑکے کو دیکھا جو ۱۴سال کا تھا ایک استاد سے پڑھ رہا تھا۔ استاد نے پوچھا کہ ۲۰ کے بعد کیا آتا جواب ملا بیس پر ایک (۲۱) ۔ ایک مرتبہ ایسے ہی استاد کم عمر بچوں کو دینی تعلیم دے رہے تھے دوران تعلیم کوئی واقعہ بچوں کو سنا رہے تھے کہ اس واقعہ میں ۶۱ کا ذکر آیا تو اپنے ننھے شاگروں پر انگریزی سے واقفیت کا اظہار کرنے کے لئے کہنے لگے کہ ایسے لوگوں کو سٹی ون sitty one (۶۱ times) مرتبہ عذاب ہوگا۔

در صل وہ sixty one کہنا تھا۔ مگر انگریزی سے ناواقفیت کی وجہ سے sitty one کہہ دیا۔ میری سمجھ میں یہ بات آنے لگی کہ پھر ایسے اساتذہ کو کتنی مرتبہ عذاب ہوگا جو تعلیم کو تجارت سمجھتے ہیں اور بغیر علمی استعداد کے بچوں کو پڑھاتے ہیں۔

چنانچہ اکثر مسلمان بچوں کا بچپن ایسی حالت میں گذر جاتا ہے۔ اکثر اساتذہ بہ سلسلہ تلاش معاش غیر مقامی ہوئے ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کی معاشی اور اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ آپ ہندوستان کے کسی حصے میں بھی چلے جائیں آپ آسانی سے یہ معلوم کر لے سکتے ہیں کہ کون سی بستی مسمانوں کی ہے۔ مسلمانوں کو بستی کے چوراہوں پر نکڑوں پر پان کے ڈبوں پر سگریٹ پان کے ساتھ گالیوں سے گفتگو کرتے ہوئے پائیں گے۔ اب جو حضرات معمر ہیں (بڑی عمر کے ہیں) وہ ہوٹلوں میں دوکانوں میں اخباری حالات پر گرما گرم مباحثہ میں مشغول نظر آئیں گے۔ ان کے کم عمر بچے گھروں کے سامنے دھول گرد میں کھیلتے چیختے چلاتے نظر آئیں گے۔ چھوٹے بچے نیم برہنہ گرد میں، گلوں میں تعویذوں کے ہار پہنے ہوئے اپنے گھروں کے دروازوں کے سامنے کھیل کود میں مصروف نظر آئیں گے۔ مسلمان عورتیں میلے کُچلے کپڑے پہنے ہوئے دروازوں میں کھڑی نظر آئیں گی۔ ہرے دروازے ہرے جھنڈے اور ہرے چبوترے ہر طرف نظر آئیں گے۔ چھوٹے چھوٹے مکانات تنگ راستے پھر ان راستوں میں مرغیاں ، بطخیں، بکریاں کُتے اور فقراء کاسہ تھامے ہوئے دروازوں پر نظر آئیں گے ۔ گھروں کے اطراف اغلاظت ، کچرا، پھٹے کپڑے اور پان کی پیک سے رنگین دیوار میں نظر آئیں گے۔ گھروں کے اندر کا منظر یہ ہے کہ ٹیپ ریکارڈ یا ٹی وی بڑی آواز کے ساتھ چلتے رہتے ہیں ان کے کسب (کمائی) کی حالت بھی عجیب ہے۔ کم تولنا، سودی کاروبار ، رشوت، سٹہ بازی، شادی بیاہ میں جوڑے کی رقم کا مطالبہ، دھوکہ بازی اور بے ایمانی سے مال حاصل کرنا۔ لباس میں عریانیت، مزاج میں آوارگی ، خیالات میں پراگندگی ، سوچ و فکر، جہالت پر مبنی۔ یہ ہے مسلمانوں کی بستی۔ کیا یہ لوگ خیر امت کہلانے کے مستحق ہیں، کیا یہ لوگ

اسلاف کا نمونہ ہیں، کیا ایسی امت دوسری قوموں کی امامت کر سکتی ہے، کیا ایسی امت میں خالد، حمزہ اور ابو عبیدہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیا ایسی اُمت جو خود غیر تربیت یافتہ جاہل، غافل اور بے شعور ہو، اپنی اولاد کے لئے دینی تربیت کر سکتی ہے۔

چاک داماں بھی ہے گریباں بھی
تم کروگے رفو گری کب تک؟

☆☆☆

آہٹ بھی نہ محسوس ہوئی ختم سفر تک
یہ عمر رواں کتنا دبے پاوں چلے ہے

اولاد کی تربیت کا مسئلہ نہ صرف اہم بلکہ مشکل ہے اور ایسے گھناونی حالات میں جبکہ ہر طرف خباثت عام ہے مزید مشکل ہے۔ تربیت اولاد کے لئے ایک طویل مدت تک کئی مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ تب تو ایک گونہ حقوق اولاد ادا ہوتے ہیں۔ جہاں تک میری علمی فراست ہے مجھے کہیں ایسا کوئی حکم دیکھنے میں نہیں آیا کہ اولاد کی تربیت صرف بالغ ہونے تک یا سن شعور کو پہنچنے تک ہی کرنا چاہیئے۔ بعد میں انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے والدین تاحیات اپنی اولاد کی دینی تربیت کرتے رہیں۔ البتہ اولاد بڑی ہو جانے پر طریقہ تربیت ضرور بدلیں۔ قطرہ سے گہر (موتی) اور بیج سے شجر ہونے تک مراحل ہیں اسی طرح تربیت کا معاملہ ہے۔

اولاد کی تربیت کے فوائد

اولاد کے حقوق ادا نہ کرنا یعنی تعلیم و تربیت نہ دینا نتیجتاً اپنی نسل سے اسلام کو مٹانا، کمزور کر دینا، دنیا میں فساد کو پھیلانا ہے۔ نہ صرف اپنے خاندان اور

معاشرے میں بلکہ پورے ملک میں اور پھر نسل سے نسل چلی گی۔ تو یہ سب سوغات ساتھ لیکر چلتی رہیگی یہ اندرونی نقصان ہے۔ بیرونی نقصان یہ ہے کہ غیروں کی نظر میں مسلمان اور اسلام کی عظمت گھٹ جاتی ہے۔آج کے بچے کل کے بڑے، آج کی اولاد کل کے ماںباپ ہو جاتے ہیں۔اس طرح اولاد کے تربیت یافتہ نہ ہونے سے پورا معاشرہ غیر تربیت یافتہ ہو جاتا ہے۔ ملک میں امن کا انحصار (دارومدار) اولاد کی تربیت پر ہے۔ کسی قوم کی نیک نامی کا انحصار اولاد کی تربیت پر ہے۔آنیوالی نسلوں کی حفاظت کی ضمانت ، اولاد کی تربیت پر ہے۔ پھر ان تمام نسلوں کی تباہی اور بربادی اور ناکامی کی ذمہ داری آج کے ماںباپ پر ہے۔ چنانچہ تمام نسلوں کے گناہ ان کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔اولاد کے حقوق تلف (رائگاں، ضائع) کر کے اپنے حقوق کا مطالبہ ناانصافی ہے۔اکثر ماںباپ کو فکر اپنے حقوق کے مطالبہ کی اولاد سے رہتی ہے۔ حالانکہ وہ اولاد کے حقوق ادا نہیں کرتے ہیں۔اپنے فرائض کو بھولکر حقوق کا مطالبہ کرنا زیادتی ہے۔ یہ مشاہدہ ہے کہ ماں اپنے بچے کو ڈراتی ہے کہ دیکھ ! ماں کے پیروں کے نیچے جنت ہے۔ اس طرح باپ ڈراتا ہے کہ دیکھ ! باپ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ باپ کی رضا تیرے لئے ضروری ہے ورنہ جہنم رسید ہو جائیگا۔ لیکن ماںباپ یہ نہیں سوچتے کہ اُمت محمدیہ میں اولاد کی تربیت کے بارے میں اولاد کے حقوق کے بارے میں کس قدر احکام ہیں، کہ ان کی رو سے اولاد کو اللہ اور رسول اللہ کا فرمانبر دار انسان بنانا ضروری ہے ورنہ روز قیامت ہم سے اس خصوص میں بازپرس ہو گی۔

نصیحت کی جگہ حسن و عمل درکار ہے ناصح
یہ بہتر ہے کہ لفظوں کے بجائے زندگی بولے

یہ یک طرفہ ماںباپ کی طرف سے اولاد سے مطالبہ ذاتی مفادپرستی دنیاداری ہے نہ کہ دینداری۔ کچھ وعظ و نصیحت کی محفلیں اور ممبروں سے تقاریر بھی یکطرفہ نوعیت کی ہوتی ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں صرف اولاد کو ماںباپ کے حقوق ادا کر نیکی تلقین کی جاتی ہے۔ اولاد ہی کو ماںباپ کے بارے میں ڈرایا جاتا ہے ۔ لیکن ماںباپ کو حقوق ادا کر نیکی تلقین نہیں کیجاتی۔ ان کو اس غفلت سے بیدار نہیں کیا جاتا یہ وعظین حضرات کی بے اعتدال تقریر ہے اور یہ ایسے مقررین ہیں جو عوامی رحجان کی رعایت سے بولتے ہیں۔

فریضہ تربیت اولاد جزء اسلام ہے

اولاد کو پیدا کرنا زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے جس قدر اولاد کی تربیت کرنا اہم ہے۔ اسلام میں حقوق اولاد کی ادائیگی کوئی اخلاقی یا انسانی فریضہ کے طور پر نہیں بلکہ یہ جز اسلام ہے۔ خلیفہ ثانی کے عہد خلافت میں ایک باپ نے اپنے بیٹے کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ میرا بیٹا حق ادا نہیں کرتا آپ نے بیٹے سے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا جواب ہے۔ بیٹے نے خلیفہ ثانی سے سوال کیا کہ اولاد کا بھی ماں باپ پر کوئی حق ہوتا ہے یا صرف ماں باپ ہی کا اولاد پر حق ہوتا ہے۔آپ نے فرمایا بے شک اولاد کا بھی باپ کے ذمہ حق ہے۔ بیٹے نے دریافت کیا کہ وہ حق کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ وہ حق یہ ہے کہ نکاح کرتے وقت اپنی صالح اولاد کے خاطر اچھی ماں کا انتخاب کرنا اور اولاد کا اچھا نام رکھنا اور اس کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا۔ لڑکے نے کہا میری والدہ مجوسی ہے اس طرح میری ماں کا غلط انتخاب کیا گیا اس

طرح میرا حق مارا گیا اور میرا نام جعل رکھا، جس کے معنی سیاہ فام کے ہیں اور اس نے مجھے دینی تعلیم نہیں دی جس کی وجہ سے میں دین سے ناواقف ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے مقدمہ عدالت سے خارج کر دیا اور کہا کہ جو حق تلف کرتا ہے اس کو حق مانگنے کا اختیار نہیں ہے۔ تم نے اپنے حق سے زیادہ اپنے لڑکے کی حق تلفی کی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ اولاد ماںباپ کی آرزوں کو اسی وقت پورا کر سکتی ہے جبکہ وہ اپنی اولاد کے حقوق ادا کریں۔ ان کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں۔ عمومی اعتبار سے چونکہ تربیت ہی سے اولاد سنورتی ہے اس لئے قرآن میں آتا ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (التحريم: ٦)

(اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو دوزخ کی آگ سے) والدین اپنی اولاد کی تربیت کے بارے میں عدم مسئولیت کا شکار ہیں۔ حدیثوں کے ذخیرے سے پتہ چلتا ہے اگر اولاد کی تربیت نہ کی جائے تو اولاد ماںباپ کو روز قیامت ذمہ دار ٹھیرائیگی اسی سلسلے کی ایک حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ ایک عورت جو جہنم کی مستحق ہو گی وہ اللہ سے فریاد کریگی کہ وہ تنہا جہنم میں جانیکی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اس کو جہنم تک پہنچانے میں اس کا باپ اس کا بھائی اس کا شوہر اور اس کا بیٹا ذمہ دار ہیں۔ چونکہ میں پیدا ہونے بعد دیگر اِن چاروں کے تحت رہی تھی۔ انہوں نے مجھے دنیوی سہولتیں پہنچائیں لیکن آخرت اور اس کے عذاب سے نہیں ڈرایا۔ انہوں نے نیکیوں کا حکم نہیں دیا۔ برائیوں سے نہیں روکا۔ نہ باپ نہ بھائی نہ شوہر نے اور نہ بیٹے نے۔ اگر یہ لوگ میری تربیت والے حقوق پورے کرتے تو میں آج جہنم کی مستحق نہ ہوتی۔ اس طرح یہ چاروں مجھے جہنم تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں

۔ یا اللہ اب تو ہی انصاف فرما۔ چنانچہ ایک عورت ان چاروں مردوں کو جو جنت کے مستحق تھے دوزخ میں لیجا ئیگی۔

زندگانی ہے موت کی تمہید
موت ہے تفسیر زندگانی

حدیث کا مفہوم یوں آتا ہے کہ انسان جب مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے (۳) نیک صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ اسی وجہ سے آدمی کے مرتے ہی اس کے حساب و کتاب اور سزاء و جزاء کا فیصلہ نہیں کیا جاتا تاکہ ثواب جاریہ تا قیامت متوفی (مرحوم) کو ملتا رہے۔ اور اگر اس کے برعکس کوئی گناہ یا برے طریقے کی ایجاد کر کے مرا ہے تو اس کا عذاب جاریہ بھی تا قیامت اس کو پہنچتا رہے گا۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ مدعی اور مدعی الیہ رو برو ہوں اور فیصلہ ہو۔

اولاد کی تربیت اور اولاد کو صالح بنانےکے مدارج

تربیت کی صفت اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ اگر ایک جانور خواہ ہاتھی ہو شیر ہو کتا ہو، طوطا ہو۔ جب تربیت کیجاتی ہے تو وہ انسانوں جیسے کام کرنے لگتا ہے اور اگر انسان کو تربیت نہیں دی جاتی ہے تو جانوروں جیسی زندگی گزارتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ باپ کی دعاء اولاد کے حق میں ایسی ہی ہے جیسے نبی کی دعا امت کے حق میں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ تین دعائیں ایسی ہیں

جن کے قبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) اولاد کے حق میں ماںباپ کی دعا۔

عجیب بات ہے کہ اولاد کو اگر جسمانی تکلیف پہنچتی ہے تو ماںباپ تڑپ تڑپ کر ان کی صحت مندی اور درازی عمر کی دعا کرتے ہیں۔ مگر ان کیلئے روحانی بگاڑ اور روحانی بیماریوں سے حفاظت کے لئے اللہ سے دعا نہیں کرتے۔ آخرت کی کامیابی کی دعا نہیں کرتے بلکہ دنیا میں کامیابی کی دعا کرتے ہیں۔ چونکہ ماںباپ خود دنیا دار ہوتے ہیں اس لئے اپنی اولاد کے لئے بھی دُنیا ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ماںباپ کی ایک قسم ہوئی دوسری قسم یہ کہ اُن کی اولاد اُن کے ساتھ اچھا برتاو کرتی ہے، اُن کا حق ادا کرتی ہے، اُن کی خدمت کرتی ہے، اُن کو اچھا لباس عمدہ کھانا کھلاتی ہے، اچھی طرح ہر قسم کا آرام پہنچاتی ہے، تو ماںباپ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر طویل دعائیں دیتے ہیں حالانکہ یہ اولاد ایسی ہے جو ماںباپ کو تو خوش رکھتی ہے لیکن اللہ کو راضی نہیں کرتی۔ اللہ کے احکامات توڑتی ہے فسق و فجور میں زندگی گزارتی ہے، قدم قدم پر اسلام کی خلاف ورزیاں کرتی ہے۔ ماںباپ کا دھیان اس طرف نہیں جاتا کیونکہ ماںباپ خود اللہ کے احکامات توڑتے ہیں۔ اور دنیا کے عیش ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اکثر بے شعور ماںباپ دعا سے زیادہ اپنی اولاد کو بد دعا دیتے ہیں اگر اتفاق سے گھڑی قبولیت کی ہو تو پھر اولاد پریشان ہو جاتی ہے۔ حضرت امام بخاری بچپن میں اندھے ہو گئے تھے۔ اِن کی ماں اس کی وجہ سے بہت پریشان تھیں۔ دن رات اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتی رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے بیٹے کو بینائی دیدی۔ آپ نے اس وقت بیٹے کو جگایا اور پوچھا بیٹا کیا تجھے دکھائی دیتا ہے۔ بیٹے نے کہا ہاں مجھے دکھائی دیتا ہے۔ یہ ماں کی دعا کا اثر تھا، کہ بیٹھے کی

آنکھیں واپس آگئیں اور یہ بھی دعاؤں کا اثر تھا کہ بخاری بخارا کے امام ہو گئے پھر آگے چل کر چاروں امام اور ساری دنیا نے آپ کو امام مان لیا اور آپ کی کتاب کو قرآن کے بعد کا درجہ دیا گیا۔

پرورش اور تربیت کا فرق

دنیا میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ ساری مخلوق اپنی اولاد کو پالیتی ہے ۔کیونکہ مخلوق کی فطرت میں یہ پرورش والا جذبہ ڈالدیا گیا ہے۔پرندے اپنی اولاد کے لئے گھونسلے کا انتظام کرتے ہیں۔ شکار کے طریقے سکھاتے ہیں اور دشمن سے حفاظت کی تدابیر سے واقف کراتے ہیں۔ اگر انسان خاص طور پر مسلمان بھی اسی طرح پرورش کرے جس طرح پرندے کرتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو جانوروں کی طرح روٹی کپڑا اور مکان کے حصول کے قابل بنانے کے لئے دنیوی تعلیم دلاتے ہیں تو دیگر مخلوقات میں اور اشرف المخلوقات میں فرق نہیں رہا۔ عقل اور علم کی وجہ سے انسان اشرف ہو گیا۔ اب علم و عقل سے سیرت سازی ضروری ہے۔ دنیوی تعلیم سے سیرت سازی نہیں ہوتی دنیا سازی ہوتی ہے۔ ماں باپ اگر اپنے بچے کو دنیوی تعلیم سے آراستہ کر کے یہ سمجھ لیں کہ تربیت بھی ہو چکی تو غلط فہمی اور خوش فہمی ہے۔ پال پوس کر بڑا کرنا الگ بات ہے اور تربیت اس کے آگے ہے۔ کمانیکے قابل بنانا دراصل جسمانی تقاضوں اور حاجات کو پورا کرنے کا انتظام ہے، جو دیگر مخلوق بھی کرتی ہے۔ لیکن مسلمان کے لئے جسم کے ساتھ روح کے تقاضے بھی پورے کرنا ضروری ہے۔ جسمانی تقاضوں کو پورا کرنیکے لئے زمین سے سارے اجناس، پھل پھلاری نکالنے کا پورا انتظام اللہ نے کیا اور روحانی تقاضوں کو پورا کرنیکے لئے روحانی تربیت کا انتظام اپنے رسولوں کے ذریعہ کیا۔ اور سمجھایا کہ

لوگوں کو میری پسند کی طرف لائیں۔ اپنی مرضی کے تحت زندگی گزارنے کے بجائے میرے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقے بتلائیں۔اور خود رسول عربی ﷺ اس کے لئے نمونہ بنے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کا مسلمان صرف جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے انتظام کا نام تربیت رکھ لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو بھول بیٹھے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "اے ایمان والو اپنے کو اور اپنی اولاد کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"۔

کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعا ہے کہ امیر
نزع کے وقت سلامت میرا ایمان رہے

ممتا کی محبت پر اللہ کی محبت غالب رہنا چاہئے

کچھ مسلمان ایسے ہیں جن کو یہ تاکید خداوندی نہ صرف یاد ہے بلکہ اس پر وہ عمل پیرا بھی ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنی اولاد کو خدا کی امانت سمجھتے ہیں ان کو اسلام سے آراستہ کرنا اپنی ذمہ داری اور اس سے غفلت امانت میں خیانت سمجھتے ہیں۔ اولاد کی تربیت کی راہ کی مشکلات کو اپنے لئے باعث آزمائش سمجھ کر اولاد کے لئے توفیق الٰہی کے لئے دست بدعا بھی رہتے ہیں ﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (التغابن: ۱۵) ماں باپ کو ہمیشہ یہی فکر رہتی ہے کہ ان کی اولاد صراط مستقیم سے ہٹنے نہ پائے اولاد اگر احکامات الٰہی کو توڑ کر اللہ سے بغاوت کر کے ماں باپ کو خوش رکھنا چاہتی ہے تو وہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں رضاء الٰہی اپنی رضا کے مقابل مقدم رہتی ہے۔ اس طرح ماں باپ اپنے آپ کو قیامت کی بازپُرس (جواب دہی) سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اولاد کو پہلے رب کا فرمانبردار بناتے ہیں جس کے نتیجے میں اولاد ماں باپ کی اطاعت بھی کرتی ہے پھر ایک ایسا معاشرہ تیار ہوتا ہے جو

ضامن ہو جاتا ہے اللہ کی زمین پر امن کا، سکون کا۔ اگر ماں باپ اپنے لخت جگر اولاد کی دینی اعتبار سے پرورش نہیں کرتے ہیں تو ایسی اولاد آخرت کے اعتبار سے برباد ہو جاتی ہے۔ جہنم کے قابل بن جاتی ہے پھر اولاد کا گناہ ماں باپ کے کھاتے میں درج ہو تا رہتا ہے۔ اگر سارے ماں باپ ایسا کرتے ہیں تو گویا وہ اپنی اولاد کو انسان نما شیطان بناتے ہیں، بالفاظ دیگر ماں باپ اپنے بدن سے سانپ بچھوؤں کو جنم دیتے ہیں جو دنیا میں خدا کے دین کے خلاف فساد برپا کرتے ہیں اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔ محبت دو قسم کی ہوتی ہے ایک مادرانہ یعنی ممتا والی محبت اور دوسری اللہ والی محبت۔

ممتا والی محبت میں بے شعوری ہوتی ہے، جنون ہوتا ہے، حیوانیت ہوتی ہے، بے صبری کا جذبہ ہوتا ہے، اندھا پن ہوتا ہے۔ حق تلفی، ناانصافی اور طرف داری ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اللہ والی محبت میں اعتدال، انصاف، شعور، انسانیت، صبر، دینی بصیرت، اسلامی احکام کی پابندی کروانے کا جذبہ وغیرہ ہوتا ہے۔ اس طرح ماں تا والی محبت میں نقصانات ہیں۔ فرط (شدّت) محبت میں ماں کو اولاد کی خرابیاں اور نقائص، خوبیاں نظر آتی ہیں۔ اگر قریبی رشتہ دار اولاد کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہیں تو ماں اُن کو دشمن سمجھتی ہے۔ اولاد کی محبت ایک جادو کی طرح ماں باپ کو اندھا بنادیتی ہے۔ ﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (التغابن: ۱۵) اولاد کو اگر جسمانی تکلیف پہنچتی ہے یا بیمار ہو جاتی ہے تو ماں باپ پریشان ہو جاتے ہیں بعض مائیں بے ہوش ہو جاتی ہیں اور یہی اولاد تارک الصلوۃ اور صوم رہتی ہے، مغرب زدہ زندگی گزارتی ہے، حلال اور حرام میں تمیز نہیں کرتی، اللہ کے

کلام کو چھوتی تک نہیں ، ایسی دین بیزار اولاد کے ماںباپ کا نہ کبھی کھانا چھوٹتا ہے اور نہ کبھی اُن کی آخرت کی فکر دامنگیر ہوتی ہے۔ ماںباپ غیر شعوری طور پر اپنی اولاد سے دشمنی کررہے ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ ماں باپ اولاد کے وجود کو اللہ کی طرف سے ایک آزمائش سمجھیں اور اپنی ممتا والی محبت پر اللہ والی محبت کو غالب رکھیں تو اولاد کے حقوق،

تربیت ادا ہو سکتے ہیں۔ ورنہ دارین (دونو عالم) میں نقصان کا باعث ہے۔

دیندار عورت کا انتخاب

صالح اولاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ دیندار عورت کا انتخاب کریں۔ حدیث اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے نکاح چار وجوہ کی بناء پر کیا جاتا ہے (۱) حسب، ونسب کی بناء پر

(۲) خوبصورتی کی بناء

(۳) مالداری کی بناء پر

(۴) دینداری کی بناء پر

پس تم لوگ دینداری کی بناء پر نکاح کرو۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ موٹے ہونٹ والی حبشن، دیندار ہو تو اس کو ترجیح دو، گوری خوبصورت دنیا دار عورت پر۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بہترین دولت نیک بخت عورت ہے۔ آپ نے خبر دار فرمایا کہ لوگو تم گندگی کے سبزے سے بچو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ گندگی کا سبزہ کیا ہے ؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ خوبصورت عورت جو گندے اور رذیل خاندان سے پیدا ہوئی ہو۔ دیندار عورت کو منتخب کرنیکی وجہ یہ بھی ہے کہ بچہ باپ سے زیادہ ماں کے قریب رہتا ہے اور باپ سے زیادہ ماں کا اثر قبول کرتا

ہے۔ انسانی شخصیت کی تکمیل میں تربیت کے مقابلے میں اندرونی پیدائشی صفات زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس لئے صالح عورت کا انتخاب ضروری ہے۔ آج کے مسلم معاشرے کا معیار انتخاب عورت کے بارے میں صرف اس کی خوبصورتی ہے۔ خواہ وہ طوائف کے زمرے سے ہو یا رقاصہ کے شجرے سے تعلق رکھتی ہو۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے کہ گندگی کے سبزے سے بچو۔ کیا عمدہ تشبیہ ہے کہ کس قدر آسانی سے بات کو سمجھا دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایسی عورتوں سے جو اولاد حاصل ہوتی ہے ان میں زیادہ تر ماں ہی کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ ایمانیات سے خالی سینے، عبادات اور اعمال صالحہ سے چڑچڑاہٹ، نفرت، مغربی تہذیب کے دل دادہ من چاہی زندگی گزارنے والے۔

آج بچے تو سبق لیتے ہیں ٹی وی سے بہت
پر بزرگوں کی نصیحت نہیں اچھی لگتی

تاریخ گواہ ہے کہ بڑے انسانوں کی مائیں خود بڑی تھیں کیونکہ تخم (seed) اور صحبت کا اثر حق بات ہے۔

کہا جاتا ہے کہ A great man has a great mother یہ تو مسئلہ کا ایک رخ ہے۔ دوسرا رخ یہ ہے مرد کا انتخاب دینی اعتبار سے ہو۔ لڑکا ڈاکٹر یا انجینیر یا تاجر گھرانے کا ہے لیکن لالچی، بد صورت، عمر رسیدہ، رشوت خور، زانی، شرابی، بے حیا، بے نمازی، دہریہ، مغرب زدہ ہے تو پھر عورت کی زندگی خراب ہو جاتی ہے۔ جو شرابی ہوتے ہیں وہ اکثر زانی بھی ہوتے ہیں۔ موجودہ مسلم معاشرے کی تباہی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دنیوی خوشحالی کے خاطر اپنی دیندار

اور مومنہ لڑکی کو ایسے مردوں کے گلے باندھ دیتے ہیں۔ ان حالات میں ماںباپ مجرم اور قابل گرفت رہتے ہیں۔ ایک وہ مبارک دور تھا کہ ہمارے اسلاف

(۱) صرف دین ہی کو لڑکے اور لڑکی کے انتخاب میں معیار جانتے تھے۔

(۲) صالح عورت کے انتخاب کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ماںباپ صالح اولاد کے لئے دعا کریں۔

(۳) تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ اولاد کی دینی تربیت خود ماں باپ کریں۔

(۴) چوتھا مرحلہ یہ ہے کہ اس بات کا اہتمام کریں کہ بچہ نیک صحبت میں اپنے اوقات گزارے۔ بری صحت سے دور رکھیں۔

(۵) پانچواں مرحلہ یہ ہے کہ اولاد کی پرورش خود کسب حلال سے ہو کیونکہ کسب حرام سے روح مردہ ہو جاتی ہے۔ ایمان کا نور بجھ جاتا ہے، بے ایمانی کی طرف لقمہ حرام لے جاتا ہے، دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے، حق بات کا دل پر اثر نہیں ہو تا، عبادات میں دل نہیں لگتا، عبادت قبول نہیں ہو تیں، حرام مال سے پرورده اولاد بیماریوں اور مصائب میں مبتلا ہوتی ہے، اخلاق رذیلہ کا شکار ہو جاتے ہیں، دعا قبول نہیں ہوتی۔

امام غزالی کا کہنا ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی تربیت کا محتاج ہو جاتا ہے۔ بچپن کی تعلیم و تربیت پتھر کے نقوش کی طرح دل میں ثبت ہو جاتی ہے۔ بچپن بالکل نرم ڈالی کی طرح ہوتا ہے جس کو موڑا جا سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بچپن ہی سے اس کی تربیت شروع کریں۔ بچپن کے ۶-۵ سال کی تربیت کا بوجھ ماں کے ذمہ ہوتا ہے اگر اس عمر عزیز کو لاڈ وپیار میں یا غفلت یا خوش فہمی میں یا آئندہ سدھر جانیکی بے جا امیدیں یا اکلوتا ہو نیکی خوشی اور بے انتہا مسرت میں یا کثیر

العیالی کے رنج و غم کی وجہ سے تربیت نہ کر سکے تو ایک مجرمانہ غفلت ماںباپ کی ہو گی۔

کچھ لوگ ہیں کہ وقت کے سانچے میں ڈھل گئے
کچھ لوگ تھے جو وقت کے سانچے بدل گئے

ماںباپ کا دائرہ عمل اور اولاد کے حقوق پر ان کا اثر

اسلام نے اولاد کی پرورش نگہداشت (نگرانی) اور تربیت کی ذمہ داری صرف ماں پر نہیں رکھی بلکہ ماں اور باپ دونوں پر عائد کی ہے۔ باوجودیکہ دونوں کا دائرہ عمل الگ الگ ہے۔ اسلام نے عورت کو گھر کا ذمہ دار بنایا مرد کو باہر کی ذمہ داریاں سونپی۔ ماں کے میدان عمل میں گھر کی دیکھ بھال، صفائی، سلیقہ، بچوں کی تربیت اور دیگر امور خانہ داری رکھ دیا اور مرد کے لئے کسب اور اس کی صعوبتیں، جہاد، حکمرانی، دعوت و تبلیغ وغیرہ کی ذمہ داریاں رکھ دی اور فرمایا کہ ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (النساء: ۳۴) (مرد عورتوں پر غالب ہیں)۔

زمانہ شاہد ہے حالات گواہ ہیں کہ دائرہ عمل سے اگر قدم باہر رکھا گیا یا دائرہ عمل جو فطرت کی بناء پر قائم کیا گیا ہے اس کو بدل دیا گیا تو انتشار پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے مستحکم۔ مہذب اور مؤدب خاندان وجود میں نہ آ سکے۔ اس طرح عورت گھر سے باہر نکل کر سارے عائلی نظام کا دیوالیہ نکالدی۔ اس لئے اسلام نے عورت کے لئے پردہ ضروری قرار دیا۔ اختلاط مرد و زن سے منع کیا، نیم برہنہ لباس اور بے حجابانہ گفتگو سے باز رکھا، لیکن ان احکامات کو مغرب زدہ مسلمان حضرات عورت کے لئے قید و بند سمجھے، حق تلفی ظلم وزیادتی کے مترادف سمجھا، ساتھ ہی ساتھ امور خانہ داری کی ذمہ داری کو عورت کے لئے ایک ذلیل عمل

قرار دیا۔ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا کہ "گھروں کی دیکھ بھال عورتوں کی ذمہ داری ہے۔" ان کا یہی عمل جہاد ہے" اور جہاد عبادت ہے۔

عیش و آرام کی کیا حد ہے؟

مانباپ حد سے زیادہ عیش و آرام کی زندگی کی ترجیح نہ دیں۔ حد سے زیادہ لاڈ پیار افراط، دولت، عمدہ لباس، اونچے مکان، مرغن غذائیں، اولاد کی تربیت میں بڑا بگاڑ پیدا کرتی ہیں ایسے گھرانوں میں پروردہ اولاد عموماً دین سے دور رہتی ہے۔ کیونکہ دین خود محنت کا میدان ہے نہ کہ پھولوں کی سیج اور محنت کا مادہ ایسی اولاد کے مزاج میں نہیں رہتا۔ سہل انگاری، عیش و آرام، غفلت شعاری، نزاکت و لطافت اور خود بینی ان کے مزاج میں آجاتی ہے۔ چنانچہ ساکنان حیدرآباد شاہد ہیں کہ حیدر آباد کے نوابوں اور جاگیر داروں کی اولاد کے بگاڑ کا بڑا سبب ان کی بے جا تعیشانہ زندگی لاڈ پیار و ناز و نخروں والی زندگی تھی۔ آج لفظ نواب حقارت کے اظہار کے خاطر استعمال ہونے لگا ہے۔ ان کے قصوں سے کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ اللہ محفوظ رکھے۔

سادہ رہن سہن، سادہ غذا، سادہ کپڑا اور سادہ بات چیت محنت و مشقت کا مزاج بنانا ضروری ہے۔ جس طرح ایک فوجی کو مختلف حالات جنگ کا سامنا کرنیکے قابل قبل از وقت تربیت شاقہ دی جاتی ہے اسی طرح اولاد کی تربیت بھی اس معیار پر ہو کہ وہ آئندہ زندگی میں پیش آنے والے اونچ نیچ حالات کی سنگینی، زمانے کے گرم و سرد مسائل کی پیچیدگیوں کا نہ صرف مقابلہ کر سکے بلکہ کامیاب ہو سکے۔ ایسی تربیت کے لئے تعیشاتی ماحول سازگار نہیں رہتا۔

دنیا دو قسم کے مسائل سے بھری ہوئی ہے ایک دنیوی دوسرا اُخروی۔ دنیا کے مسائل آج والے ہیں اور آخرت کا مسئلہ کل والا ہے۔ دنیا کے مسائل چھوٹے ہیں آخرت والا مسئلہ بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ اِمتحان کی اس دنیا میں کسی آدمی کو مسائل سے فرصت نہیں۔ بہر حال جس طرح حالات کے بغیر کیفیات مطلوبہ نہیں حاصل ہو سکتے اسی طرح ایک خصوصی طرز حیات اور ماحول کے بغیر اولاد کی صحیح تربیت نہیں ہو سکتی۔ خوشحالی خود ایک آزمائش ہے اور یہ اولاد کی تربیت کی دشمن ہے۔ اصل مسئلہ چند روزہ زندگی کا نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ موت کے بعد کی زندگی کا ہے۔

اولاد کو تربیت کے دوران غیر قوم کے اثرات سے بچائیں۔ مغربی تہذیب سے بچائیں، رسومات و روایات سے بچائیں۔ مسلمانوں کے اعتقادات کے مطابق دنیا قید خانہ ہے اور دیگر اقوام کے لئے دنیا جنت ہے۔ اعتقادات کے اختلاف کے لحاظ سے اعمال میں بھی اختلاف رہتا ہے ایسا ماحول ایک دیندار بچے کے لئے ناساز گار ہوتا ہے۔

ILLITERACY AND ILLBRED ARE THE TWO SIDES OF THE SAME COIN

فکر کے مراحل سے ذات کے نکھرنے کے تک
عمر بیت جاتی ہے زندگی سنورنے تک

اولاد کی تربیت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اپنی اولاد کی بیجا تعریف نہ کریں کیونکہ بیجا تعریف حقیقت کی قاتل ہے۔ اور تربیت کے دوران رعایت اور نرمی نہ برتیں کیونکہ رعایت ترقی کی قاتل ہے۔ اور تربیت ناممکن اور ادھوری رہ جا سکتی ہے۔

وقت اور انسان کی دنیا پرستی

۱۰۰ سال قبل بھی وقت ۲۴ گھنٹے کا تھا آج بھی اتنا ہی ہے لیکن آج آدمی دین اور دین کے متعلقہ امور کے خاطر وقت دینا نہیں چاہتا۔ پہلے زمانے میں دینی امور کے لئے وقت فارغ کرنے کے لئے زیادہ کچھ کھونا نہیں پڑتا تھا لیکن آج اسی قدر وقت نکالنے کے لئے زیادہ کھونا پڑتا ہے۔ پہلے وقت کی قیمت کم تھی اب وقت کی قیمت زیادہ ہو گئی ہے۔

حقیقت میں دیکھا گیا تو مسئلہ وقت کا نہیں ہے بلکہ حرص (Greed) کا ہے۔ آج بھی لوگ اگر سادگی اور قناعت کو اپنا لیں تو تھوڑے وقت میں زیادہ کما سکتے ہیں۔ مگر لوگ ضرورتوں پر قانع نہیں ہیں بلکہ تعیشات کو ضرورتوں میں شامل کر لئے ہیں۔ لوگ اپنے معاشرہ میں معیار زندگی کو اونچا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ دولت کمانا چاہتے ہیں۔ اس لئے وقت کی ہر مقدار ان کے لئے ناکافی ہے۔ حقیقت بیانی سے اگر کام لیں تو لوگوں کو یہ کہنا چاہیئے کہ ہم دینی امور کو اتنا اہم نہیں سمجھتے کہ اس کے لئے ہم وقت نکال سکیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو آخرت کا یقین، عقل سلیم اور فکر مستقیم عطا فرمائے۔ ورنہ یہ سمجھلیں کہ اس زمین پر ہی ہم اپنے ہاتھوں جہنم بنا رہے ہیں۔ مطمئن زندگی کا راز کثرت سامان نہیں ہے بلکہ قناعت ہے جو آدمی ضرورت کے بقدر پا کر مطمئن ہو جائے وہی ایک نعمت کو پا سکتا ہے۔ جس کو اطمینان کہا جاتا ہے۔ اس کے بر خلاف جو آدمی ضرورت کے بجائے خواہش کو اپنا معیار بنائے وہ کبھی بھی اطمینان کی زندگی نہیں پا سکتا کیونکہ ضرورت کی ایک حد ہے اور خواہش کی اور حرص کی کوئی حد نہیں ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ وہ ضرورت اور حرص میں فرق کرے اور اپنی کوششوں کا نشانہ ضرورت کی تکمیل کو

بنائے نہ کہ خواہش کی تکمیل کو۔ ضرورت کی تکمیل ہو جانے کے بعد آدمی کو وقت بھی مل جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ مقصد کے لئے اپنے آپ کو مصروف کر سکے اس کے بجائے اگر خواہش کو رہنماء بنالے تو زندگی میں سکون و اطمینان اور فرصت تینوں نہیں مل سکتے۔ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ دھوکہ میں رہتے ہیں (۱) صحت (۲) فرصت یہ دونوں اللہ کی نعمتیں ہیں ان کو انسان اعلی مقصد کے لئے استعمال نہیں کرتا حالانکہ اعلی مقصد کے لئے جینے ہی کا نام انسانیت ہے ۔ انسان صحت اور فرصت دونوں کو معاشی کاموں میں لگا دیتا ہے، اور جب انسانی مقاصد کی مشغولیت کی ترغیب دی جاتی ہے تو فرصت کے نہ ہونے کا عذر کرتا ہے ۔ اب عذر کو عذر نہ بنائیں بلکہ عذر کو نا قابل لحاظ سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔

تہی وحدت سے ہے اندیشہ غرب
کہ تہذیب فرنگی بے حرم ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

قدیم زمانہ اور معاش

آج کی غریبی اور سو سال قبل کی غریبی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلے پانی سب کے لئے تھا اب پانی کیمیائی آلودگی کی وجہ سے سب کے لئے نہیں رہا۔ صرف امیر کے لئے رہ گیا غریب اس کو پی نہیں سکتا اور صاف پانی کے لئے قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ اس طرح غذا کا حال ہے پہلے غذا سادی اور عام تھی ۔ اب غذا سادی نہیں رہی اور مہنگی ہو گئی ہے۔ غریب ایسی غذا کھا نہیں سکتا اس طرح لباس اور

مکان کا مسئلہ بھی مہنگا ہو گیا ہے ۔ حمل نقل (transportation) پہلے زمانے میں بے بسی تھی۔ آج مہنگی ہو گئی ہے۔ غریب کے لئے بھی حمل نقل ضروری ہے مگر بے بسی ہے۔ سائنسی ترقی اور صنعتی ترقی کی وجہ سے آج تعلیم حاصل کرنا ضروری ہو گیا ہے، کسی زمانے میں تعلیم محدود اور سستی تھی آج تعلیم لا محدود اور مہنگی ہو گئی۔ اس شعبہ زندگی میں بھی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ مواصلاتی ذرائع (means of communication) کی ترقی اور جدید ذرائع ابلاغ عامہ سے واقفیت ضروری ہے اور بعد واقفیت اس سے مستفید ہونے کے لئے بھی سرمایہ ضروری ہے ۔ موجودہ فضائی ماحولی آلودگی کی وجہ سے نئ نئ بیماریاں اور ان کے علاج اور معالجہ میں ہزاروں روپیوں کا خرچ آتا ہے۔ اس اعتبار سے قوت خرید کا ہونا ضروری ہے۔

موجودہ زمانہ اور مسلمانوں میں معاشی استحکام

اشیاء جو کبھی تعیشات زندگی میں شمار ہوتی تھیں۔ امتدادِ زمانہ (طویل زمانہ) اور انقلاب زمانہ (تبدیلی کا زمانہ) کے ساتھ ساتھ وہ سب ضروریات زندگی اورلوازمات زندگی میں شمار ہونے لگیں۔ اس طرح موجودہ اشیاء ضرورت کی تعداد اور ان کی اضافی نوعیت میں ایک انقلاب آگیا ہے۔ عیش و تنعّم والی چیزیں اب معیار زندگی کا لازمی عصر بن گئیں ، قدر و قیمت کے وہ پیمانے جن کا خمیر اخلاقی اقدار سے دینی معیار سے تیار ہوتا تھا۔ اب وہ معاش کی قدروں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ معاش میں فروغ اور عیش و تنعّم (ملائم) اور مادی سہولتوں کی فراہمی میں دیانت، امانت ، اصول اور اخلاق جیسے اقدار اب بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں ، حلال و حرام کے حدود از کار رفتہ ہو گئے ہیں ۔ سرمایہ کی گرفت پہلے زمانے میں

بھوک مٹانے، سادہ لباس اور مختصر سے مکان تک محدود تھی اب سیاست، تہذیب اخلاق اور مذہب، عدل و انصاف اور طرز معاش سب پر اس کی حکمرانی ہے۔ ایک متوسط طبقہ کا آدمی اپنی استطاعت کے موافق اپنی اولاد کو دینوی تعلیم دلانے کے لئے جراءت کرتا ہے۔ صرف غیر فنی تعلیم دلا سکتا ہے کیونکہ فنی تعلیم کے اخراجات کا برداشت کرنا اس کی استطاعت سے باہر ہے۔ اگر غیر فنی تعلیم دلاتا ہے تو ایسے تعلیم یافتہ حضرات کی کثرت ہو گئی ہے اور ہر شعبہ فنی تعلیم یافتہ حضرات کو چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں غیر فنی تعلیم یافتہ حضرات کو روزگار کا ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ نتیجتاً ایک ملازمت کے لئے کئی امیدوار صف میں نظر آنے لگے ۔ مقابلہ کے ساتھ ساتھ رشوت، سفارش، تعصب، حکومتی دبا اور مذہبی رنگ و نسل کے امتیازات کو روبہ نظر رکھ کر انتخاب عمل میں آنے لگا۔ ایسے حالات میں مسلمان حضرات کا غیر فنی تعلیم کے حصول میں اوقات لگانا بے فیض ہے۔ نہ تو شعور ہی بیدار ہو سکا اور نہ تو روزگار کے ذریعے مستقبل سازی ہو گی۔

اپنی تقدیر میں فردا کا مقدر ہی نہیں
ہم گناہ گار حیات آج بھی ہیں کل کی طرح

وقت اور پیسہ کی بربادی جس کی وجہ سے معاشی بگاڑ میں ترقی اس طرح مسلمانوں میں معاشی استحکام کا آنا مشکل ہے۔ چنانچہ ایسے تعلیم یافتہ لوگ کسی طرف کے بھی نہ ہو سکے۔ ایسی تعلیم نے ان کو محنت مزدوری کی عادت بھی چھڑادی، گزارہ مشکل ہو گیا۔

تنگ دستی نے کہا زہر ہے افلاس کا حل
کی جو نیلام سند زہر کی قیمت نہ ملی

ایسے گھناونی حالات میں آخرت کا یقین ایک مومن کے لئے پختہ ہو ناضروری ہے۔ قناعت کا دامن نہ چھوڑیں کفایت شعاری کو اپنا وطیرہ بنالیں ۔ ان سب رکاوٹوں کے باوجود اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت ان کے حقوق کی ادائیگی خوشدلی سے اور کسب حلال سے کریں۔

کاٹ لیناہر کٹھن منزل کا کچھ مشکل نہیں
ایک ذرا انسان میں چلنے کی ہمت چاہئے

آج کی دنیا کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ امن ہے اور امن روحانی ترقی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔انسان پیدائشی طور پر روحانی مخلوق ہے۔اس کو روحانی بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی روحانی کیفیت کو برقرار رکھنے کی محنت اور محفوظ رکھنے کی محنت ضروری ہے۔

انسانی دینوی ترغیبات کی خاطر آخرت کے تقاضوں کو نظر انداز کرتا ہے اور ابدی فائدوں کے مقابلہ میں وقتی فائدوں کو ترجیح دیتا ہے اور دینوی ترغیبات اس قدر خوشنماء ہیں کہ اِن کی نفی کرنے کی انسان میں ہمت نہیں ہے۔ انسان کو شیطانی طاقتیں بہکاتی ہیں۔ اسطرح سماجی اسباب اس کو غلط راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اِن اسباب سے متاثر ہو کر اولاد کے حقوق ادا نہ کرے تو وہ امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے۔ماں باپ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمت کریں اور اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا صحیح آغاز کریں کیونکہ صحیح آغاز صحیح اختتام کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ پھر حقیقت میں انسان ربانی انسان بن جاتا ہے۔

تربیت کے بغیر تعلیم ناقص ہے

ماں باپ کی ذمہ داری میں صرف اولاد کی دنیوی تعلیم ہی نہیں ہے بلکہ دینی تعلیم اور تربیت بھی بدرجہ اولی شامل ہے۔ اگر ان کو شامل نہ کریں تو ذمہ داری کی ادائیگی پوری نہ ہو سکے گی۔ تعلیم اور تربیت دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور دونوں بچے کے لئے لازم اور ملزوم ہیں۔ ماں باپ اس ذمہ داری کو بوجھ نہ سمجھیں اور اس کے لئے کچھ زیادہ وقت بھی لگانا نہیں پڑتا۔ ایک جگہ رہن سہن کی وجہ سے بچے کی تربیت آسانی سے بچپن میں اپنی نظروں کے سامنے ہو سکتی ہے۔ فارسی میں ایک کہاوت ہے کہ بچہ عزیز است تربیت عزیز تر۔

ماحول کی پراگندی جس قدر زیادہ ہو گی اس قدر تربیت کی ضرورت اور اہمیت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فی زمانہ اس پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس سلسلے میں مجرمانہ غفلت برتی جارہی ہے۔

حق اور ذمہ داری

دیندار ماں باپ کی ایمانی نفسیات کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق بھول جاتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو روبہ (۲۵٪) نظر رکھتے ہیں۔ جب آدمی کا یہہ حال ہو کہ وہ اپنے حقوق کے مقابلے میں ذمہ داریوں کو اہمیت دے تو وہ ہر مسئلہ میں اپنی ذات کو الگ کر کے معاملہ کرتا ہے۔ حقوق کے مقابلہ میں اپنی ذمہ داریوں پر نظر ہونا یہی تمام اعلیٰ اخلاقیات کی جڑ ہے۔ یہ چیز آدمی کے اندر پیدا ہو جائے تو گویا اس کے اندر اخلاقی اوصاف پیدا ہو گئے۔

آج ہمارے معاشرے میں ہر طرف حقوق حاصل کرنے کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ اس مقصد کے تحت بے شمار ادارے انجمنیں اور جماعتیں قائم ہیں اور ہر شخص حقوق کے نام پر زیادہ سے زیادہ مفادات حاصل کرنی کی فکر میں مشغول ہے۔ لیکن اس پہلو کی طرف توجہ کم لوگوں کی ہوتی ہے۔ کہ حقوق ہمیشہ ذمہ داریوں یعنی فرائض سے وابستہ ہوتے ہیں۔ بلکہ دراصل حقوق، فرائض ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور جو شخص اپنے فرائض کا حق ادانہ کرے اس کے لئے اپنے متعلقہ حقوق کے مطالبہ کا کوئی جواز نہیں۔

فرض کی ادائیگی اور حق کا حصول

اسلامی تعلیمات کا مزاج یہ ہے کہ وہ نہ صرف ہر فرد کو اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف ترغیب دیتی ہے۔ بلکہ دل میں اصل فکر ہی یہ پیدا کرتی ہے کہ کہیں مجھ سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے میں کچھ الٹ پلٹ کر کے اپنی کوتاہیوں کو اس دنیا میں چھپالوں اور اس کی دنیوی سزا سے محفوظ بھی ہو جاؤں، لیکن ظاہر ہے کہ کوئی کوتاہی خواہ وہ کتنی معمولی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتا۔ جب یہ فکر کسی میں پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا اصل مسئلہ حقوق کے بجائے فرائض کی ادائیگی بن جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے اپنے جائز حقوق بھی پھونک پھونک کر وصول کرتا ہے کہ کہیں وصول شدہ حق کا وزن ادا کردہ فریضہ سے زیادہ نہ ہو جائے۔ یہی فکر اسلاف میں تھی جس کی وجہ سے اُس وقت کا معاشرہ مثالی معاشرہ تھا۔ چنانچہ اس خصوص میں کئی واقعات بزرگان دین، اہل اللہ اور علماء کرام کے ہم کو ملتے ہیں۔ اگر یہ فکر آج بھی معاشرہ میں عام ہو جائے تو سب کے حقوق خود بخود ادا ہونے شروع ہو جائیں اور حق تلفیوں کی شرح گھٹتی

چلی جائے۔ اس لئے کہ ایک شخص کا فریضہ دوسرے کا حق ہوتا ہے۔ جب پہلا شخص اپنا فریضہ ادا کرے گا تو دوسرے کا حق خود بخود ادا ہو جائے گا۔ شوہر اپنے فرائض ادا کرے تو بیوی کے حقوق ادا ہوں گے۔ بیوی اپنے فرایضہ ادا کرے تو شوہر کے حقوق ادا ہوں گے۔ افسر اپنے فرائض بجالائے تو ماتحت کو اس کے حقوق ملیں گے۔ ماتحت اپنے فرائض ادا کرے تو افسر کو اس کے حقوق ملیں گے۔

فکر آخرت کی ضرورت

غرض دو طرفہ تعلقات کی خوشگواری کا راز یہی ہے کہ ہر فریق اپنی ذمہ داری محسوس کر کے اس سے ٹھیک عہدہ بر آن ہو تو دونوں میں سے کسی کی حق تلفی کی کوئی جائز شکایت پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ فکر معاشرے میں اس وقت تک عام نہیں ہو سکتی جب تک اس میں فکر آخرت کی آبیاری نہ کی جائے۔ عقیدہ آخرت کا صرف زبان سے اقرار اور اعلان خواہ کتنا ہی کرو لیکن ہماری عملی زندگی میں اگر اس عقیدے کا کوئی عکس عموماً نظر نہیں آتا تو فکر آخرت کا ایسا عقیدہ تبدیلی عمل اور جذبہ میں موثر ثابت نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری زندگی کی ساری دوڑ دھوپ کا مقصد، مال، روپیہ، پیسہ ہے جس کی وجہ سے حقوق کے معاملے میں ہم لوگ بہت حساس اور فرائض کے معاملے میں بے حس ہیں۔ رغبت دنیا کی محویت، فکر آخرت کو فراموش کر دی ہے۔ ہر طرف جنگ زرگری (show off) اور خود غرضی عام ہو گئی ہے۔ چنانچہ لوگ اپنے حقوق کے معاملے میں بہت حساس ہو گئے ہیں۔ لیکن فرائض ادانہ ہونے سے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ معاشرے میں جھگڑے اور مطالبوں کے لئے احتجاج، چیخ و پکار چل رہی ہے۔

اور فکر آخرت کے ساتھ مندرجہ ذیل باتوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو حقوق اور فرائض کا معاملہ بہ آسانی حل ہو جاتا ہے۔

حدیث: "اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔"

انسان اگر اپنی نظر حقوق پر رکھے تو اس کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض پر بھی نظر

رکھے جس سے دوسروں کے حقوق ادا ہوتے ہیں۔

لا مذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاح قوم
ہر گز گزر سکیں گے نہ ان منزلوں سے آپ

دلوں میں فرائض کا احساس کس طرح پیدا کریں۔ ہر آدمی خود اپنے اپنے مزاج کو فروغ دینے کی ممکنہ کوشش کرے۔ کم از کم اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں میں احساس فرض کا جذبہ پیدا کرے۔ اسطرح رفتہ رفتہ ایک گھر سے دوسرے گھر پھر خاندان اور برادری پھر پوری قوم ترقی کی راہ پر پڑ سکتی ہے۔ ابتداء میں تو ایسا ہی نظر آتا ہے کہ

میں تو تنہاء چلا تھا جانب منزل مگر
ہمسفر ملتے گئے اور کاروان بنتا گیا

افراد کی تربیت (بہ اعتبار اولاد) اگر اسلامی طریقہ پر ہو تو ہمارا معاشرہ اسلامی کہلا سکتا ہے، ورنہ وہ ایک ایسا معاشرہ ہو گا جس میں مختلف قسم کی معاشروں کا امتزاج ہو گا اور وہ اسلامی معاشرہ نہیں کہلا سکے گا۔ جس طرح افراد کی تربیت کا محرک خوف خدا ہے اس طرح اسلامی معاشرہ کا محرک بھی خوف خدا ہے۔

اسلامی معاشرہ کے خدوخال

معاشرہ اسلامی کا اکثر حصہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو ہر معاملہ میں صرف خدا کی خوشی اور ناخوشی کو ملحوظ نظر رکھتا ہے۔اس کے سوا دیگر مصلحتیں اور محرکات دنیوی نا قابل لحاظ بن جاتی ہیں ۔ خدا جو ساری کائنات کی اصل ہے وہی اسلامی معاشرہ کی اصل ہے۔خدائے واحد کے عقیدہ معبودیت کے ساتھ ساتھ عابد میں جو صفات پیدا ہوتی ہیں وہی اسلامی معاشرہ کی بنیاد بن جاتی ہیں۔اس طرح اسلامی معاشرہ دراصل خدائی معاشرہ ہے۔ کیونکہ اسلامی معاشرہ افراد کی اسلامیت کا اجتماعی ظہور ہے ۔اس اسلامیت میں استقلال کو برقرار رکھنے کے لئے معاشرہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام بشکل اصلاح المسلمین ہونا ضروری ہے۔ گویا اسلامی معاشرہ افراد کے احساس کے تحت وجود میں آتا ہے۔ تبدیلی عقیدے کے ساتھ ساتھ طرز عمل میں تبدیلی کا نام ہی اسلامی تہذیب یا اسلامی معاشرہ ہے۔قرآن چاہتا ہے کہ ہم لوگوں کے درمیان خدائی اخلاق کے ساتھ رہیں نہ کہ شیطانی اخلاق کے ساتھ زندگی گذاریں۔ جس طرح تمام بھلائیوں کا راز خوف خدا ہے ۔اس طرح تمام برائیوں کی جڑ اللہ سے بے خوف ہو جانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہتر سلوک صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو حقوق العباد کے معاملے میں اللہ سے ڈرتا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں فرد اپنے سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں پر نظر رکھتا ہے اور بصورت اختلاف یا شکایت اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوشی میں کمی اور کوتاہی کو سبب کرا دیتا ہے۔اسلامی معاشرہ میں آدمی محتاط رہتا ہے اس کے ذمہ کسی کے حقوق اور کسی کا قرض باقی نہیں رہتا اور کوئی مال دار نہ ہو تو اس کے لئے بھلی بات

کرنا ہی صدقہ ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو دوسروں کو اپنے شر سے بچانا ضروری ہے۔ اسلامی معاشرہ میں سب سے زیادہ نفع بخش وہ آدمی ہوتا ہے جو لوگوں کے حق میں زیادہ نفع بخش ثابت ہو۔ اگر دوسروں کے کام نہ آسکے تو دوسروں کے کام بھی نہ بگاڑے۔ دوسروں کی جانب سے تکلیف ہو تو اس کا رد عمل، غصہ، نفرت، انتقام، حسد، حقارت جیسے جذبات سے نہ ہو بلکہ محبت، انصاف، خیر خواہی، عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کرے۔ دوسروں سے حسن ظن رکھے اور اپنی ذات سے سوء ظن رکھے۔ ہر سماج میں اچھائیاں اور برائیاں ہوتی ہیں۔ آج کے دور میں ہر برائی کو ختم کرنے کا رجحان نہیں رہا۔ روک ٹوک، اخلاقی احتجاج، زبانی احتجاج، دعوت دین، ذکر آخرت اور دینی فضاء پیدا کرنے کی فکر نہیں رہی اس وجہ سے بد اخلاقی گھروں میں خاندانوں میں عام ہو گئی ہے۔

معاشرتی مسائل کی نوعیت

افراد جو ایک جگہ رہتے ہیں وہ مختلف المزاج، مختلف العقائد اور مختلف الفکر، اور مختلف الطبائع ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان طرح طرح کے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوئی کسی کا رشتہ دار، کوئی کسی ہم قوم، کوئی کسی کا ہم پیشہ، کوئی کسی کا ہم وطن، تو کوئی کسی کا ہم زبان و ہم خیال، کوئی تاجر، کوئی مالک مکان تو کوئی اجارہ دار، کوئی امیر، کوئی غریب، کوئی تعلیم یافتہ، تو کوئی جاہل، کوئی شریف، تو کوئی شریر بہر حال مختلف انواع کے روابط اور تعلقات کی بناء پر لوگوں کے درمیان میل جول، آنا جانا، ملاقاتیں، اٹھک بیٹھک، بحث و مباحثے، مشورے، تنقید و تبصرے ہوتے رہتے ہیں۔ اس دوران کبھی کسی سے اختلاف رائے، اتفاق رائے، اختلاف عمل اور آپسی نوک جھونک اور بدگمانی کی فضاء پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر یہی

باتیں سبب بن جاتی ہیں کسی سے محبت کے لئے ، نفرت کے لئے، کسی سے اتفاق کے لئے اور کسی سے اختلاف کے لئے ۔ ایسا ہونا ایک فطری بات ہے ۔ جب معاشرے میں ایسے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں تو ایسے مواقع پر ایسے حالات میں تعلیمات اسلامی کیا ہیں ؟ آپس میں کس طرح زندگی گزاریں اور کس قسم کے رد عمل کے اظہار کا ایک مسلم پابند ہے تا کہ وہ طریقہ اور برتاؤ اسلامی ہو اور معاشرہ بھی حقیقت میں اسلامی معاشرہ کہلائے۔

احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کی تصویر

(۱) ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی تین چیزیں حرام ہیں۔ خون، مال، آبرو

(۲) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(۳) تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا یہ حال نہ ہو جائے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(۴) مسلمانوں کی مثال آپسی محبت ، رحم دلی اور مہربانی کے معاملے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم ۔جب جسم کے عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم مل کر جاگتا ہے اور سارا جسم بخار میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۵) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسکو بے یار و مدد گار چھوڑے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا تو اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف دور کرے گا تو اللہ قیامت کے دن اس کو تکلیف میں نہ رکھے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کو ڈھانکے گا تو اللہ قیامت کے دن اس کو ڈھانکے گا۔

(۶) اللہ تعالی نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم لوگ تواضع اختیار کرو کوئی شخص کسی پر زیادتی نہیں کرے گا اور نہ کوئی کسی پر فخر کرے گا۔

(۷) ایک مومن کی مثال دوسرے مومن کے لئے ایسی ہے جیسے عمارت، عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے اس طرح مسلمان باہم جڑے ہوتے ہیں۔

(۸) جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں (آپسی لڑائیاں)۔

(۹) اللہ کا محبوب بندہ وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو۔

(۱۰) کسی بھائی کی حاجت براری کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی تمام عمر خدا کی خدمت میں گذاری ہو۔

(۱۱) مظلوم کی بددعا سے ڈرو۔ کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

(۱۲) اگر کوئی کسی کے ساتھ ایک گھڑی بھی رہا تو قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ حق صحبت بجالایا۔ یا نہیں؟ نسب پر شیخی کرنا اور غرور کرنا ہر حال میں برا ہے۔

اسلامی معاشرے کا حسد سے پاک ہونا ضروری ہے

تخلیق انسانی میں اللہ جل شانہ نے اختلاف رکھ دیا، کسی کو باصلاحیت، کسی کو بے صلاحیت، کسی کو غنی، کسی کو ذہین، کسی کو صحتمند، کسی کو بیمار، کسی کو کنگال، کسی کو خوشحال، کسی کے حالات سازگار، کسی کے ناسازگار، بہر حال بساط عالم کو قدرت نے اختلاف سے سجایا ہے۔ ان کیفیات میں ایک جگہ بسنے والے جب ایک دوسرے کو فرق کے ساتھ دیکھتے ہیں تو کم تر برتر کو حسد کو نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ سے اجتماعی معاشرتی زندگی میں انتشار، اختلاف، عداوت، باہمی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر ان اعتبارات سے اپنے کو یا دوسروں کو تولنا نادانی

ہے۔ کیونکہ یہ سب دنیاوی چیزیں ہیں اور آپسی اختلافی حالات یہ سب مِن اللہ ہیں اور ہماری آزمائش کے لئے ہیں کہ برتر کم تر سے غرور سے پیش نہ آئے بلکہ تواضع سے پیش آئے اور کم تر برتر سے حاسدانہ رویہ اختیار نہ کرے۔ کوئی شخص معاشرہ میں اونچا درجہ حاصل کرنے کے لئے دن رات محنت کرتا ہے، ترقی کرتا اور کامیابی کو حاصل کرتا ہے۔ لوگ کسی کی ترقی کو دیکھ کر حسد اس لئے کرتے ہیں کہ وہ تیاری کو حذف کر کے یا بغیر تیاری کے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جب انہیں نتیجہ نہیں ملتا تو حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر کسی پر حسد کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ خدا کی خدائی اس کی تقسیم اس کی مشیت اوراس کے تصرفات میں دخل دینا چاہتا ہے اور ایسا کرنا کفر ہے۔ یوں سمجھو کہ اللہ کسی کو دینا چاہتا ہے اور تم چاہتے ہو کہ وہ اس کو نہ دے۔ ایسا کرنا گویا خداوندی فیصلے سے مقابلہ کرنا ہے۔ اسلئے حدیث میں آتا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ حسد کرنا گویا اپنی ذات پر ظلم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " ہم تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتے وہ تو ظلم اپنی ذات پر خود کرتا ہے ۔ حضرت عبد القادری جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنی ذات پر حسد نہ کر یعنی اگر تجھے تیرے رازق نے اپنے فضل و کرم سے نعمتیں دی ہیں اور تو ان کے استعمال میں بخل کرتا ہے اور دولت کو بالکل خرچ نہیں کرتا تو یہ طریقہ صریحاً اپنی ذات پر حسد کرنا ہے۔ حقوق العباد کا کسی طرح سے بھی غصب کرنا مشیت الٰہی میں دخل دینا ہے اور وہ صریحا شرک ہے۔

آج کا فتنہ غیر اسلامی معاشرہ ہے

مسلمانوں کے درمیان جو معاشرتی بگاڑ ہے وہ اسلامی اصولوں سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ رہن سہن، چال و چلن، رفتار و گفتار میں غیر اسلامی معاشرہ کی تقلید عام ہے۔ شادی اور غمی کے اجتماعات میں اور نجی زندگی میں غیر اسلامی رسومات و منکرات جز زندگی بن گئے ہیں۔ مسلمان مقامی حالات سے مجبور ہو کر اپنی معاشی زندگی کے سدھار کے لئے مغربی ممالک میں باشندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کمانے کے سوا اُن کے پاس اور کسی بات کے لئے وقت نہیں ہے۔ ان کو وطن دوری ستاتی ہے تو ایک وقت مقررہ کر کے اپنے اپنے وطن آ جاتے ہیں۔ اس وقت مغربی معاشرے کی سوغات اپنے ساتھ لاتے ہیں اور وطن کے بگڑے ہوئے غیر اسلامی معاشرہ میں ایک قسم کا اور اضافہ کرتے ہیں۔ یہ حضرات حرص و ہوس اور اونچے معیار زندگی کی اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ لوگ وہاں سے آنا نہیں چاہتے ہیں اور غیریت اجنبیت اور احساس ذلت اُن کو وہاں رہنے نہیں دیتا، موجودہ دہشت گردی کی فضاء میں یہ احساس مزید تیز تر ہو گیا ہے۔ امریکہ میں متوطن اکثر حضرات کے گھروں میں سوائے گھٹن کے کچھ نہیں ہے۔ ان سے ہٹ کر وہ حضرات جو مشرق وسطی کو تلاش معاش میں نکلے ہوئے ہیں وہ اپنے معیار زندگی کو کافی اونچا کر لئے ہیں کہ اگر کل وطن کو واپسی عمل میں آ جائے تو ایک قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ معیار انسانیت کو نظر انداز کر کے معیار زندگی کو اونچا کرنے والو، کل کا دن ایسا ہے جس میں معیار زندگی کے بارے میں قطعی پوچھ نہ ہو گی اور جو حضرات اب تک ان ممالک کو نہیں جا سکے وہ آج پوری تیاری میں ہیں۔ بہر حال ان کی مغرب زدہ زندگیاں اور ان کا معیار زندگی کو مقصد

حیات سمجھنے کا نظریہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی تہذیب کے لئے ایک ضرب کاری ہے۔ان حضرات کو اب یہ فکر دامن گیر ہو گئی ہے کہ ان کی نسل جوان ممالک میں بود و باش اختیار کی ہوئی ہے کل اپنی شناخت (Identity) کو کھو دے گی۔ مسلمانوں کی پہچان دو چیزوں سے ہے (۱) ان کے افعال سے (۲) ان کی رواج سے ۔ان کے افعال دینیہ ختم ہو کر زمانہ ہوا،اب رواج قطع سے بھی یہ حضرات نہیں پہچانے جارہے ہیں۔اب اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ اسلام کو مسلمانوں سے خطرہ ہے نہ کہ غیروں سے۔

مغربی ممالک اور عورت

مساوات کا غلط مفہوم لے کر جب عورت کو گھر سے باہر لایا گیا اس مقصد کے ساتھ کہ وہ مرد کے شانہ بشانہ ہر شعبہ زندگی میں کام کر سکے تو عورت کا فطری اور حیاتیاتی نظام اس غیر فطری مساوات کو برداشت نہ کر سکا چنانچہ عورتیں انہیں شعبوں کی طرف چلی گئیں جہاں وہ اپنی نسوانیت کے اعتبار سے قیمت پاسکتی تھیں۔ جیسے فلم ، ٹی وی، تفریحی پروگرام، اشتہاری صنعتیں وغیرہ ان سب مقامات پر صرف جوان عورت ہی کی قیمت تھی۔پردہ کو ختم کر کے عورتوں کا باہر آجانا اور لوگوں کے درمیان مقبولیت کا حاصل ہو جانا صرف اس قیمت پر حاصل ہے کہ وہ خاندانی زندگی سے دور ہو گئیں۔ اسلامی بندھنوں کو توڑ دیا۔ نکاح کو معیوب سمجھا۔ دن رات ، زیب و زینت میں تنوع لباس عریاں میں ملبوس ہونا ، حجاب کی بندشوں سے آزاد، پھر ان کی نمائش کے لئے اختلاط مرد و زن اس پر عورت کی نادانی کا یہ عالم ہے کہ وہ جتنا گرتی جارہی ہے اتنا ہی وہ اپنے کو اونچا سمجھ رہی ہے۔اب جو پستی کو بلندی سمجھے اس کا کیا علاج ؟

عروج پر ہے بہت آج پستی انسان
گناہ کر کے بھی نادان دکھائی دیتا ہے

عصری تعلیم

مسلم معاشرہ کیلئے نقصان دہ ہو گئی ہے موجودہ عصری تعلیم کا انداز بڑی حد تک مغربی ہے۔ چنانچہ طلباء کے ذہنوں میں مغربی مفکرین کے اصول و نظریات اس قدر رچ بس گئے ہیں کہ رفتار گفتار خور دونوش لباس و پوشاک ہر چیز پر مغربیت نظر آتی ہے اور ان درسگاہوں میں دینی اور اخلاقی اعتبار سے طلبہ کی تربیت نہیں ہوتی کیونکہ ان درسگاہوں کا مطمح نظر طلباء کو حصول ڈگری یا ملازمت یا دیگر ذرائع معاش کے قابل بناتا ہے۔ ایسے تعلیمی ادارے ہندوستان کے ایک مخصوص کلچر اور مذہب کی تشہیر اور ان کے ماننے والوں کے رسومات وروایات کی بالادستی کا اظہار کرتے ہیں اس سے مسلم طلباء میں جو ذہنی تبدیلی و فکری خرابی پیدا ہوتی ہے اسکے اثرات سے مسلم معاشرہ غیر محفوظ ہے۔ ایسے حالات میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کیلئے بہترین اور کارگر نسخہ یہی ہے کہ وہ قرآن کریم کے معنی مفہوم کو سمجھیں اور اسکی ہدایت کو مشعل راہ بنائیں۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ امت میں ایسے افراد کثرت سے ہوں جو قرآن کی فہم کو عام کریں اور قرآن کی طرف رجوع ہو نیکی دعوت دیں اور یہ کام دینی مدارس کے فارغین ہی بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں تعلیمی اداروں سے ہٹ کر بعض دیگر ذرائع سے بھی مسلمانوں کو ان کی مذہبی اور تہذیبی روایات سے دور کرنے کیلئے اور اسکی جگہ دوسروں کی تہذیبی اور ثقافتی روایات کو عام کرنے کے لئے باقاعدہ ایک مہم جاری ہے۔ اسکے

لئے میڈیا، معروف ذرائع ابلاغ کے علاوہ جدید ترین نظام مواصلات کو پوری فراخدلی کے ساتھ استعمال کیا جارہا ہے۔

ایک طرف ان ذرائع ابلاغ سے اسلام کے بارے میں غلط معلومات اور اسلامی تعلیمات سے متعلق منفی بیانات مشتہر کئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کی سماجی اور ثقافتی زندگی کی ایسی مسخ شدہ تصویر پیش کی جاتی ہے کہ غیر تو غیر خود عام مسلمانوں کے ذہنوں میں اپنے مذہب کے بارے میں شک و شبہات اور غلط فہمیاں ابھرنے لگتی ہیں جو بعض اوقات احساس کمتری پر منتج ہوتے ہیں دوسری جانب اخبار و رسائل، ریڈیو، ٹی وی سیریل، ویڈیو اور فلموں کے ذریعے ہندو مذہب کے رسوم و روایات کو عام کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف داخلی طور پر قادیانیت، بدعت، مزارات مقبرات اور خانقاہی نظام کی راہ سے پھیلنے والی خرابیوں اور برائیوں سے بھی آج کا مسلم معاشرہ بُری طرح دو چار ہے۔ امت مسلمہ کو اس نوع کے خارجی اور داخلی فتنوں سے محفوظ رکھنے کیلئے نمایاں خدمات علمی سطح پر انجام دینے کی ضرورت ہے اور اس کام کو انجام دینے کیلئے مختلف زبانوں میں اظہار خیال کی استعداد کا پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف وجملہ معاونین و اہل وعیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کا یقین، عقل سلیم اور فکر مستقیم عطافرمائے۔

مؤلف

الحاج قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔کام (عثمانیہ)

ڈی۔ یف۔ ی۔ ناگپور کالج

" مولف کتاب "اصلاحی تحفہ" خادم تدریس القرآن باہتمام

باہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی